حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی

غدار کون اور کیوں

ع آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں

فقیر والی اللہ

کلیجہ خون اور دل ناصبور ہے، لکھنے کی طاقت کہاں سے لاؤں، ہزیمت فلسطین کا زخم ابھی ہرا تھا کہ دوسری ذلت آمیز شکست کا منحوس اور بھیانک چہرہ دیکھنا پڑا۔ مومن کا کام صبر اور اس کے ساتھ عبرت و نصیحت حاصل کرنا ہے۔ اس لئے اسباب شکست پر روشنی ڈالنا بھی ایک فریضہ ہے جسے اس عالم دل شکستگی میں بھی کسی نہ کسی طرح ادا کرنا ضروری ہے۔

—— یہ بات تو بالکل کھلی ہوئی ہے۔ اور غالباً پاکستان کا ہر فرد اس سے واقف ہو گیا ہوگا کہ ہماری شکست غداری کی وجہ سے ہوئی، ورنہ ہماری پوزیشن ایسی نہ تھی کہ ہمیں اتنی ذلت کے ساتھ ہتھیار ڈالنا پڑتے اور اپنے لاکھوں بھائیوں کو دشمنوں کی درندگی اور اس کے ظلم و ستم کا نشانہ بننے کے لئے چھوڑ دینا پڑتا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ غداری ان گروہوں نے کی ہے جو اسلام کے مدعی ہیں، لیکن درحقیقت اسلام کے دشمن ہیں، وہ اپنے کو جو مسلمان کہتے ہیں۔ تو اسلام کی ایک مخصوص اصطلاحی تعریف پیش نظر رکھتے ہیں جو انہیں پر منطبق ہوتی ہے۔ ہم سُنی جس دین کو اسلام کہتے ہیں اس سے انہیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ عداوت ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انہیں اس غداری کی جرأت کیوں ہوئی جبکہ ہماری یعنی اہل سنت کی اکثریت ہے۔ اور ہم میں سے بعض افراد ان کے اس ناپاک مقصد کو پورا کرنے کے لئے ان کے معاون کیوں بن گئے۔؟ یہ اتفاقی طور پر ہو گیا یا اس بارے میں ہم سے ہی کوئی قصور ہوا ہے۔؟ اس چیز کا دیکھنا اس وقت زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ مغربی پاکستان بھی اس وقت سخت خطرے میں ہے۔ اگر ہم اپنی غلطیوں کی تلافی کر لیں تو انشاءاللہ اسے نقصان نہ پہنچے گا، ورنہ اندیشے تو ایسے ہیں جن کا تصور بھی لرزہ براندام کر دیتا ہے۔

—— حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ خلاف توقع نہیں ہوا۔ اصحاب بصیرت اور

باخبر افراد بہت دن سے اس اندوہناک انجام کو دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ ہماری مسلسل غلطیوں کا منطقی نتیجہ یہی نکلنا چاہئے تھا۔ اور سنت اللّٰہ یہی ہے کہ جب اس قسم کی غلطیاں کی جاتی ہیں تو عذاب الٰہی اسی صورت سے آتا ہے۔ جس سازش کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے اس کے بارے میں بعض باخبر افراد نے جو عوام میں غیر موثر ہونے کی وجہ سے خود کچھ نہ کر سکتے تھے اور جن کی آواز سننے کیلئے پبلک تیار نہ ہوتی بعض ذمہ دار مقبول عام اور موثر آواز رکھنے والے سیاسی قائدین کو ایک سال پہلے مطلع کر دیا تھا۔ بلکہ بعض کو تو سازش کے ابتدائی مدارج سے دو ڈھائی سال پہلے مطلع کر دیا تھا۔ مشرقی پاکستان کو بھارت کی گود میں ڈال دینے کی سازش کا اس وقت تک انہیں علم نہ تھا۔ لیکن اس کی تمہید کا علم ہو گیا تھا جس کی اطلاع انہوں نے بعض ذمہ دار سیاسی قائدین کو دیدی تھی، لیکن یہ قائدین جرأت و ہمت کی صفت سے محروم ہیں، ان میں وہ جذبۂ قربانی نہیں ہے جو ایک سیاسی قائد کا جوہر ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ساکت وصامت رہے اور سازش کی کھلی ہوئی علامتیں دیکھنے کے بعد بھی اس سے بے خبر بنے رہے۔ مارشل لاء کا خوف، جیل جانے کا خطرہ اور آرام وہ زندگی چھوٹنے کا اندیشہ افضل الجہاد سے مانع رہا۔ حالانکہ اگر وہ دوسری مؤثر شخصیتوں کو مطلع کر کے اجتماعی طور پر اس راز کو فاش کر دیتے اور غداروں کے چہرے پبلک کو دکھا کر انہیں نکالنے کا مطالبہ کرتے تو حکومت انکا کچھ نہ لگاڑ سکتی اور اس حادثہ جانکاہ تک نوبت نہ پہنچتی۔

ان غلطیوں کی تفصیل تو بہت طویل ہے۔ ان کا اسوقت تذکرہ مقصود نہیں ہے۔ میں تو اس بنیادی بات کا تذکرہ کر کے دعوت فکر وعمل دینا چاہتا ہوں جو ہماری سب غلطیوں کا اصل سبب ہے۔ یہ بات تو بالکل کھلی ہوئی ہے۔ کہ جس المیہ سے ہمیں دوچار ہونا پڑا وہ اللّٰہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ جو ہماری غیر اسلامی زندگی، ہمارے معاشرے کے گناہوں اور اس میں انابت الی اللّٰہ کے فقدان کی سزا اور اسکا وبال ہے۔ ہمارے معاشرے کی معصیت کوشی عمل کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ زہر عقائد تک پہنچ گیا۔ اور ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے جو کھلم کھلا لادینیت کی دعوت دیتا ہے اور اسلام کے بنیادی عقائد کا مذاق اڑاتا ہے۔ ان ملحدین سے قطع نظر کثیر تعداد ایسے افراد کی پائی جاتی ہے۔ جن کے بنیادی عقائد تو صحیح ہیں لیکن عملاً انہوں نے ان عقائد کو زندگی سے خارج کر دیا ہے۔ یہ عقائد ان کے ذہن کے ایک گوشے میں تو ضرور پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی عملی زندگی ان سے بالکل بے نیاز ہے اور وہ فسق وفجور میں اس قدر بیباک ہیں، جسقدر ایک غیر مسلم۔ کیا یہ حالات اللّٰہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والے نہیں ہیں۔؟

ـــــــ اس کے ساتھ یہ واقعہ بھی سامنے رکھئے کہ پورا پاکستان فاسقوں سے بھرا ہوا

نہیں ہے۔ الحمدللہ کہ ہمارے ہاں دیندار طبقہ بھی خاصی تعداد میں ہے۔ اس میں علماء و مشائخ بھی ہیں۔ اور عوام بھی۔ جنکے اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنے والے ہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس دیندار طبقہ کا ہمارے معاشرے پر کیا اثر ہوا۔؟ اور ان صالحین کے ہوتے ہوئے ہمارے معاشرے میں اسقدر شدید اور اس قدر وسیع پیمانے پر فساد کیسے پیدا ہوگیا جو اللہ تعالیٰ کے اس عذاب شدید کا موجب بنا۔؟ بلاشبہ اس زمانہ میں جبکہ دنیا فساد سے بھر گئی۔ ایسے معاشرے کا وجود جس میں گناہ و معصیت کا شمار اتفاقی حادثات میں شمار کیا جائے بہت مشکل ہے۔ لیکن ایسے معاشرے کا وجود بالکل ممکن ہے جس میں توبہ کرنے والوں اور گناہوں پر نادم ہونے والوں کی تعداد بھی عاصیوں اور گناہگاروں کے مساوی یا اس کے قریب قریب ہو، اگر ایک گروہ معصیت کے گندے نالے میں غوطہ لگاتا ہوا دکھائی دے تو دوسرا نادم و خجل ہو کر اس میں سے نکلتا ہوا بھی نظر آئے۔ گناہگاروں کی زندگی کا ایک پہلو تاریک ہو تو دوسرا اعمال صالحہ سے روشن بھی دکھائی دے۔ گویا ہمارا معاشرہ قرآنی زبان میں خلطوا عملاً صالحاً وآخر سیئاً۔ اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ دونوں کو ملا دیا ہے۔ (یعنی دونوں قسم کے اعمال کئے ہیں) کا مصداق ہو۔

یہ تو ممکن بھی ہے اور اس کے نمونے بھی موجود ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ صالحین کی موجودگی میں اس درجہ پر کیوں نہیں رکا اور اس قدر پستی میں کیوں جا پڑا۔؟ جو شخص پاکستان کی ۲۵ سالہ تاریخ سے واقف ہے۔ وہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ بیرونی طاقتیں اور اندرونی منافق یا مسلم نما دشمنان اسلام نے جو ہمارے لئے مار آستین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فسق و فجور اور الحاد و زندقہ پھیلانے کی کتنی کوشش کی ہے اور ہمارے سنی نوجوانوں کو برباد کرنے کے لئے کیا کیا جتن کئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں برباد و گمراہ کرنے کیلئے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دئیے۔ اور جب وہ اقتدار پر قابض ہوئے تو اپنے مناصب کی پوری طاقت ہماری قوم کو گمراہ کرنے پر صرف کردی۔ یہی وہ مار آستین ہیں جنہوں نے غدّاری کرکے ہمیں اتنا شدید نقصان پہنچایا اور لاکھوں اہل سنت کا خون بہا کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کیا۔ یہاں پہنچ کر ہمارے سامنے چند سوالات آتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ منافقوں کے ان گروہوں کو اسقدر استطاعت کیسے حاصل ہوگئی کہ وہ ہماری قوم کو اس قدر پستی میں پہنچا دیں اور اس کے اخلاق و اطوار اس قدر بگاڑ دیں۔؟ یہ لوگ ایسے مناصب تک کیسے پہنچ گئے کہ ان کی غدّاری ہمارے لئے اس قدر تباہ کن ثابت ہوئی۔ ان میں اتنی بڑی غدّاری کی جراٴت کیوں ہوئی۔؟ جبکہ اغلب اکثریت ہماری ہے۔ یہی وہ سوالات ہیں

جن پر غور کرنے سے ہماری اس تباہی کا اصل سبب روشن ہو جاتا ہے۔ اور یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ خود ہم نے اس بارے میں کیا غلطی کی ہے۔ اس پر بحث کرنا میرا اصل مقصود ہے۔ کیونکہ غدر تو دوسروں نے کیا، فسق وفجور کی ترویج دوسروں نے کی۔ دوسرے کا فعل تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہمارے اختیار میں جو کچھ ہے وہ ہمیں کرنا چاہئے۔ دیکھنا یہی ہے کہ خود ہم سے کیا غلطی ہوئی، تاکہ اگر ممکن ہو تو اسکی کسی درجہ میں تلافی کر سکیں۔

——— کسی قوم کا آزاد مستقل وجود اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک اس کا ایک قومی و اجتماعی ذہن نہ ہو۔ اس کا قومی ذہن ہی اس کی بقاء اور اس کی آزادی کا ضامن ہوتا ہے۔ اور قوم کے افراد اجتماعی امور میں اسی ذہن سے سوچتے ہیں۔ اگر قوم میں مختلف فرقے ہوں اور اکثریت کا یہ ذہن بن جائے تو عموماً ذہنیتیں بھی اسی ذہن سے سوچنے پر مجبور ہوتی ہیں، ورنہ کم از کم انہیں اس کی رعایت کرنا پڑتی ہے۔ مثلاً انگلستان کا ایک قومی ذہن ہے جو نسل و وطن کے تصورات پر مبنی ہے، وہ اپنے اجتماعی مسائل کو اسی ذہن سے سوچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا شیرازہ بکھرنے نہیں پاتا، وہاں آپکو کوئی غدّار نہ ملے گا۔ اس میں سیاسی پارٹیاں بھی ہیں اور ان کے درمیان کشمکش بھی، لیکن کوئی پارٹی اپنے ملک کے ساتھ غدر نہیں کرے گی۔ کیونکہ اوّل تو وہ اپنے قومی ذہن سے بے نیاز ہو کر سوچ ہی نہیں سکتی اور وہ بھی غدر کی اجازت نہ دے گا۔ دوسرے اگر بالفرض وہ سوچے بھی تو ملک کا قومی ذہن فوراً اس کا احساس کریگا اور اس کا خوف ایسے کبھی غدر کی جرأت نہ کرنے دیگا۔

تقسیم برصغیر سے پہلے ہی بھارت نے اپنا ایک قومی ذہن بنالیا جو ہندو قومیت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوبائی، لسانی، نظریاتی ہر قسم کے کثیر اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے مقابلے میں پوری ہندو قوم متحد ہے۔ دوران جنگ ان کے یہاں کوئی بھی ایسی تحریک نہیں پیدا ہوئی جو انہیں کمزور کر سکتی۔ نہ وہاں "بنگلہ دیش" کا نعرہ سنائی دیا۔ حالانکہ مغربی بنگال انہیں کے پاس ہے۔ اور نہ "سکھستان" کی صدا بلند ہوئی حالانکہ یہ موقع تھا کہ پاکستان کی امداد سے سکھوں کے اس خواب کی تعبیر نکل آتی۔

——— ہماری قومیت ہمارے دین پر مبنی ہے۔ اگر دین کو درمیان سے نکال دیجئے تو کوئی عنصر ایسا نہیں باقی رہتا جو پاکستان کے مختلف اجزاء اور صوبوں کو متحد رکھ سکے۔ اس لئے ہماری بقاء اور آزادی کے قیام کیلئے لازم ہے کہ ہمارا ذہن دینی ہو۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ۲۵ سال کی طویل مدت میں ہماری قوم کا دینی ذہن وجود میں نہ آسکا بلکہ اس کے جو آثار تحریک پاکستان کے وقت موجود تھے

وہ بھی برباد ہو گئے۔ مناسب یہ ہے کہ میں پہلے اس "دینی ذہن" کی تشریح کر دوں۔

"دینی ذہن" کا مفہوم یہ ہے کہ انسان ہر مسئلہ کو دینی نقطۂ نظر سے دیکھے اور اس کے دینی مصالح اور مفاسد کو پیش نظر رکھ کر دنیاوی مصالح و مفاسد کو قانونی حیثیت دے۔ طرزِ فکر اور ذہنی انفرادی حیثیت میں بھی پایا جا سکتا ہے اور اجتماعی حیثیت میں بھی جہاں تک انفرادی حیثیت کا تعلق ہے۔ ہماری قوم میں ایسے افراد کی معتد بہ تعداد پائی جاتی ہے جو اپنی انفرادی زندگی میں یہی طرزِ فکر اور ذہن رکھتے ہیں اور اپنے ذاتی مسائل پر دین ہی کے نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں۔ لیکن جو چیز ہم میں مفقود ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارا قومی اور اجتماعی ذہن دینی نہیں رہا یعنی ہماری قوم جب اپنے اجتماعی مسائل پر غور کرتی ہے تو وہ خالص دنیاوی نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ اختیار کرتی ہے اور دنیاوی مصالح و مفاسد کو پیش نظر رکھ کر دینی مصالح و مفاسد کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ قوم کے "دینی ذہن" ہونے کا مطلب یہی ہے کہ قوم کے افراد خواہ اپنی انفرادی و شخصی زندگی میں بے راہ روی کے مرتکب ہوتے ہوں اور دنیاوی زاویۂ نظر سے غور و فکر کرنے کے عادی ہوں لیکن ایسے اجتماعی مسائل پر خواہ وہ سیاسی ہوں یا معاشی یا تعلیمی یا اور کسی قسم کے دینی زاویۂ نظر سے نظر کرنے کے عادی ہوں اور ہر اجتماعی معاملے کے بارے میں سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ اس کا اثر ہمارے دین پر کیا پڑتا ہے؟

یہاں یہ نکتہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ "قومی ذہن" کو "دینی" بنانے کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ قوم کا ہر فرد دیندار اور متقی ہو جائے۔ قوم میں فساق و فجار کی اکثریت کے باوجود قوم کا اجتماعی و قومی ذہن دینی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ان فاسقوں کا انفرادی ذہن دنیاوی ہو گا۔ مگر ان کا اجتماعی ذہن دینی ہی ہو گا۔ اور اجتماعی مسائل پر وہ اسی سے نظر کریں گے۔

یہ صرف امکان نہیں ہے بلکہ واقعہ بھی ہے۔ شواہد تو بہت ہیں۔ لیکن اسی برصغیر کی قریبی تاریخ کا مطالعہ تصدیق و تائید کے لئے کافی ہے۔ تحریک خلافت کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے ہیں۔ اسے دیکھنے والے بھی ابھی موجود ہیں۔ غیر منقسم ہندوستان کے مسلمانوں نے خلافت عثمانی کی حفاظت و بقاء کیلئے جان کی بازی لگا دی تھی۔ صرف اس لئے کہ اس کے زوال کو دینی نقصان سمجھتے تھے۔ دنیا کے اعتبار سے انہیں اس کا کوئی بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ قوم میں اس وقت بھی اکثریت فساق ہی کی تھی لیکن بحیثیت مجموعی قوم کا ذہن دینی تھا اس لئے اس نے اس اجتماعی مسئلہ کو اسی ذہن سے سوچا۔ اس سوچنے میں وہ لوگ بھی شریک تھے جن کا انفرادی

ذہن بالکل دنیاوی تھا۔ تحریک پاکستان کے وقت بھی اسی "دینی ذہن" کی کارفرمائی ظاہر ہوتی۔ اسی وجہ سے تحریک میں ان مسلمانوں نے بھی پورے جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا جو آج بھی بھارت کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، اور ہندوؤں کے ماتحت رہنے پر مجبور ہیں۔ وہ اپنا انجام جانتے تھے مگر صرف دین کے فروغ کے لالچ میں انہوں نے تحریک میں پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا۔

جس خطے پر پاکستان بنا ہے اس پر برطانوی ذہنی اور سیاسی اثرات بہت زیادہ تھے۔ یہ قومیں مسلمانوں کے "دینی ذہن" کو ختم کرنے کیلئے ہمیشہ کوشاں رہتی ہیں۔ تاہم تحریک پاکستان کے وقت مسلمانوں کے اس ذہن میں ایک حرکت پیدا ہوئی۔ اور زندگی کے آثار اس سے ظاہر ہوئے جس کی وجہ یہ تھی کہ تحریک پاکستان دین کے نام پر شروع کی گئی تھی مگر قیام پاکستان کے بعد مسلم نما اسلام دشمنوں اور مارہائے آستین بیرونی طاقتوں کی خواہش سے اس ذہن کو ختم کر دینے کی کوشش شروع ہوگئی جو بہت ہوشیاری اور تسلسل کے ساتھ جاری رہی اور آج تک جاری ہے۔ چند ہی سال کے بعد یہ بات روشن ہوگئی کہ تحریک پاکستان کے وقت "دینی ذہن" کی انگڑائی درحقیقت افاقۂ الموت کے مترادف تھی۔ ایک سنبھالا لینے کے بعد مریض اس عالم سے رخصت ہو چکا ہے۔

—— ہمارے دیندار طبقہ کا فرض تھا کہ وہ اپنی پوری قوت و طاقت اس دینی ذہن کی بازیافت اور تقویت کے لئے صرف کر دیتے۔ اس طبقہ سے میری مراد علماء و مشائخ کے علاوہ عام حضرات بھی ہیں جو دینی شعور رکھتے ہیں اور اپنی زندگی کو دین کے راستہ پر چلانے کی کسی درجہ میں کوشش کرتے ہیں۔ یہ ذمہ داری ہر اس شخص پر عائد ہوتی ہے۔ جو دین کا شعور اور دوسروں تک اسے پہنچانے کا کچھ سلیقہ رکھتا ہے۔ لیکن حیف صد حیف کہ اس طبقہ نے اپنی ذمہ داری مطلقاً محسوس نہ کی بلکہ اجتماعی مسائل کو خود بھی غیر دینی اور خالص دنیاوی ذہن سے سوچنے لگا۔ صوبائی، قبائلی، طبقاتی، نسلی وغیرہ جاہلی عصبیتوں کا زہر اس کے دل و دماغ میں بھی سرایت کر گیا۔

—— قومی ذہن کا سب سے نمایاں اور قوی اثر سیاست میں ظاہر ہوتا ہے۔ پاکستان کی پچیس سالہ سیاسی سرگرمیوں پر ایک نظر ڈال جائیے۔ آپ محسوس کریں گے کہ ہمارے سیاسی قائدین نے کسی سیاسی اقدام یا حادثہ پر دینی زاویۂ نظر سے غور نہیں کیا۔ بلکہ ان کی سیاست خالصۃً دنیاوی رہی۔ صرف دنیادار لیڈروں کا اگر یہ حال ہوتا تو کچھ صبر بھی آجاتا۔ مگر یہ افسوسناک حقیقت کس طرح بھلا دی جائے کہ یہی کیفیت ان سیاسی قائدین کی بھی ہے جو اپنی انفرادی زندگی میں بہت دیندار اور متقی ہیں۔ گھٹیا درجہ کے دنیاوی مقاصد ان کے پیش نظر رہے۔ دین کے تحفظ اور اس کی ترویج کی انہیں

کوئی فکر نہ ہوئی نہ کبھی انہیں اس کا خیال آیا کہ ہمارے فلاں سیاسی اقدام کا عام مسلمانوں کے دین پر کیا اثر پڑے گا ؟ یا فلاں سیاسی حادثے سے ہمارا دین کیا اثر لے گا ؟ اس حالت کو اخلاص و للٰہیت سے نسبت تضاد حاصل ہے۔ اگر ہمارے سیاسی قائدین مخلص ہوتے اور اپنی سرگرمیوں کا محور رضائے الٰہی اور دین حق کے فروغ کو بنائے تو اس ادبار کا منحوس چہرہ نہیں نہ دیکھنا پڑتا۔

—— علماء کرام امت کے دینی نگران ہیں۔ یہ منصب انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوتا ہے۔ اس سے نہ انہیں کوئی معزول کر سکتا ہے۔ نہ وہ خود اس سے مستعفی ہو سکتے ہیں۔ ان کی نظر ہر وقت امت کے دینی مصالح و مفاسد پر رہنا چاہیئے اور انہیں اس بارے میں سب سے زیادہ حساس ہونا چاہیئے۔ مگر ہماری محرومی دیکھئے کہ یہ جماعت بھی اس معاملہ میں غفلت کا شکار ہوگئی اور انہوں نے بھی اجتماعی تغیرات کا مطالعہ دینی ذہن سے نہیں کیا اور نہ امت کے ذہن کو دینی بنانے کی کوشش کی۔ ان کی کیفیت یہ رہی کہ انہیں بریلویت، دیوبندیت، حنفیت و غیر مقلدیت کی حفاظت کی تو فکر ہوئی۔ لیکن خود "سنیت" کی حفاظت کی کوئی فکر نہ ہوئی۔ حالانکہ بریلوی و دیوبندی اختلاف کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے دو بھائیوں میں اس بات پر اختلاف ہو کہ باپ سے کون زیادہ محبت کرتا ہے۔ دونو مکتب فکر کے حضرات "سنی" ہونے کے مدعی ہیں۔ اور زمرہ اہلسنت سے نکلنے کیلئے کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ لیکن باوجود اس کے خود مسلک اہل سنت والجماعت کی حفاظت کی ان میں سے کسی نے بھی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ اس کے لئے خطرات شروع ہی سے موجود تھے اور اسے ختم کرنے کی کوششیں کھلم کھلا ہو رہی تھیں۔ حنفیت و غیر مقلدیت کا اختلاف تو اس سے بھی ادنیٰ درجہ کی چیز ہے۔ لیکن یہ بھی حدود سے تجاوز کر گیا۔ یہی اختلافات کیا کم تھے۔ کہ علماء کے درمیان سیاسی اختلافات بھی پیدا ہو گئے اور انہوں نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ اخلاقی و شرعی حدود کو پار کر لیا۔ اس چیز نے رہے سہے اتحاد کو بھی ختم کر دیا۔ یہ اختلافات بھی درحقیقت "دینی ذہن" کے فقدان اور خالص "دنیاوی ذہن" سے سیاسی مسائل کو سوچنے کا نتیجہ تھا۔ اگر "دینی ذہن" موجود ہوتا اور ہم اپنے مسائل اسی "اجتماعی و قومی ذہن" کے سامنے پیش کرتے تو یہ اختلافات پیدا ہی نہ ہوتے اور اگر ہوتے تو حدود سے متجاوز ہو کر مضرت رساں نہ بنتے۔

—— ظاہر ہے کہ جب اجتماعی مسائل کے بارے میں ہمارے علماء و صلحا کا ذہن بھی "دینی" نہیں تھا تو عوام کا ذہن دینی کس طرح بن سکتا تھا۔ اور ہمارے قومی ذہن کی تعمیر کیسے ہو سکتی تھی ؟

(باقی آئندہ)